درس اول:

شعری اصلاحات

درونِ لاله گذر چون صبا توانی کرد
به یك نفس گره غنچه وا توانی کرد
حیات چیست جهان را اسیر جان کردن
تو خود اسیرِ جهانی کجا توانی کرد؟!
مقدر است که مسجودِ مهر و مه باشی
ولی هنوز ندانی چها توانی کرد
اگر ز میکدۀ من پیاله ای گیری
ز مشتِ خاك جهانی به پا توانی کرد
چسان به سینه چراغی فروختن اقبال
به خویش آنچه توانی به ما توانی کرد

مصراع اور بیت (شعر):

کلاسیکل فارسی شعری اصناف کی مختصر ترین صورت بیت (شعر) ہے اور ھر شعر دو مُصرّعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

وزن:

کوئی بھی مصراع پڑھنے کے بعد ایک خاص آھنگ اور موسیقی کا احساس پیدا ہوتا ہے، جو نثری تحریر پڑھنے سے محسوس نہیں ہوتا، دراصل یہی احساس ''شعر کا وزن'' ہے۔ کلاسیکی فارسی شاعری میں ''وزنِ شعر'' علم عروض کا تابع ہے۔

ردیف:

پہلے شعر کے دونوں مُصرَّعوں اور پھر ہر شعر کے دوسرے مُصرَّ ع کے آخری الفاظ کو غور سے دیکھیے، آپ کو ''توانی کرد'' کی تکرار دکھائی دے گی، جسے شعری اصطلاح میں ردیف کہتے ہیں، ردیف ایک لفظ، چند الفاظ یا ایک جملے پر مشتمل ہوسکتی ہے۔ ردیف کے حامل اشعار ''مردّف'' کہلاتے ہیں۔

قافیہ:

ردیف سے پہلے آنے والے کلمات پر غور کیجیے، آپ کو ''آ'' کی تکرار دکھائی دے گی، جو دراصل ''قافیہ'' ہے اور ''صبا، وا، کجا، چہا، بپا اور بما'' ''کلمات قافیہ'' ہیں۔

قافیہ کلاسیکی فارسی شاعری میں بے پناہ اہمیت کا حامل ہے اور کوئی بھی شعر قافیہ کے بغیر تشکیل نہیں پاتا۔ فارسی شعر کی تمام اصناف سخن قافیہ ہی سے متعین ہوتی ہیں۔

مُصرَّ ع:

ایسا شعر جس کے دونوں مُصرَّ ع ہم قافیہ ہوں مُصرَّ ع کہلاتا ہے۔

مطلع:

منظومے کا پہلا شعر جو بالعموم مُصرَّ ع ہوتا ہے۔ مطلع کہلاتا ہے۔

مقطع:

منظومے کا آخری شعر جو بالعموم مُصرَّ ع نہیں ہوتا، مقطع کہلاتا ہے۔

تَخَلُّص:

اس سبق کے آغاز میں مندرج غزل کے آخری شعر میں شاعر نے اپنا قلمی نام استعمال کیا ہے۔ جسے تَخَلُّص کہتے ہیں۔ یاد رہے کہ تَخَلُّص آخری شعر سے پہلے بھی ذکر ہوسکتا ہے۔

مشق:

صورت نپرستم من بتخانه شکستم من
آن سیل سبک سیرم هر بند گسستم من
در بود و نبودِ من اندیشه گمانہا داشت
از عشق هویدا شد این نکته که هستم من
در دیر نیاز من در کعبه نماز من
زنّار بدوشم من تسبیح بدستم من
سرمایۂ درد تو غارت نتوان کردن
اشکی که ز دل خیزد در دیده شکستم من
فرزانه به گفتارم دیوانه به کردارم
از بادۂ شوق تو هشیارم و مستم من

مندرجہ بالا اشعار میں

۱۔ردیف کا تعین کیجیے

۲۔قافیے کی نشاندہی کیجیے

۳۔کلمات قافیہ کو الگ کیجیے

۴۔''مطلع'' کے بارے میں بتائیے

۵۔شاعر نے تخلّص استعمال کیا ہے یا نہیں

۶۔''زبورِعجم'' میں سے کچھ ایسے اشعار کا انتخاب کیجیے جن میں ردیف، قافیہ، کلمات قافیہ، مطلع، مقطع، تخلّص کی نشاندہی ممکن ہو۔

فرهنگ:

اسیر: گرفتار

افروختن: روشن کرنا

بادہ: شراب

بہ پا کردن: کھڑا کر دینا

دیر: بتکدہ

زنار: مقدس دھاگا جسے ھندو اپنی کلائی پر باندھتے ہیں۔

سبک سیر: تیز رفتار

سیل: سیلاب

صبا: ہوا

غارت کردن: لوٹ لینا

غنچہ: کلی

مسجود: جسے سجدہ کیا جائے

نَفَس: سانس

وا کردن: کھولنا

ھنوز: اب تک

ھویدا شدن: ظاھر ہونا

درس دوم:

تشبیہ

دلم درسینه می لرزدچو برگی

که بر روی قطره شبنم نشیند

مندرجہ بالا شعر پر غور کیجیے، اقبال نے اپنے سینے میں دھڑکتے ہوئے دل کو کسی درخت کی شاخ پر لرزتے ہوئے پتے کے مماثل قرار دیا ہے۔ دراصل شاعر نے اپنے قلبی احساسات کو واضح اور آشکار انداز میں بیان کرنے کے لیے تشبیہ کا سہارا لیا ہے۔

تشبیہ:

مشترک صفت یا صفات کی بنا پر دو یا چند چیزوں کو ایک دوسرے کی مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔

ارکان تشبیہ:

تشبیہ چار ارکان پر مشتمل ہوتی ہے۔

۱۔ مشبہ: جس چیز کو کسی دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے، اسے مشبہ کہتے ہیں۔

مندرجہ بالا مثال میں چونکہ دل کو پتے کے مماثل قرار دیا گیا ہے، اس لیے اس مثال میں دل ''مشبہ'' ہے۔

۲۔ مشبہ بہ: جس چیز سے کسی دوسری چیز کو تشبیہ دی جائے اسے مشبہ بہ کہتے ہیں۔ مندرجہ بالا مثال میں برگ یعنی پتا ''مشبہ بہ'' ہے۔

۳۔ ادات تشبیہ: وہ الفاظ وکلمات جن کی مدد سے ایک چیز کو کسی دوسری چیز سے تشبیہ دی جائے، ادات تشبیہ کہلاتے ہیں۔ مذکورہ بالا مثال میں کلمہ ''چو'' ادات تشبیہ ہے۔

چو، چون، مثل، مانند...... مشہور ادات تشبیہ ہیں۔

۴۔ وجہ تشبیہ: وہ مشترکہ خوبی یا صفت جس کی بنا پر ایک چیز کو کسی دوسری چیز کی مانند قرار دیا جائے وجہ تشبیہ کہلاتی ہے۔ مثلاً مذکورہ بالا مثال میں لرزنا وجہ شبہ ہے۔

طرفین تشبیہ: شاعر اپنی بات میں گہرائی اور حسن پیدا کرنے کے لیے بعض اوقات وجہ شبہ یا ادات تشبیہ یا ان دونوں کو حذف کر سکتا ہے۔ لیکن کسی بھی تشبیہ کے لیے ''مشبہ'' اور ''مشبہ بہ'' کا ہونا لازمی ہے۔ جنہیں ارکان تشبیہ کا نام دیا جاتا ہے۔

تشبیہ کی اقسام:

تشبیہ کی یوں تو بہت سی اقسام میں سے اہم ترین تشبیہ مطلق اور تشبیہ بلیغ ہیں۔

تشبیہ مطلق:

ایسی تشبیہ جس میں سبھی ارکان تشبیہ یعنی مشبہ، مشبہ بہ، وجہ تشبیہ اور ادات تشبیہ مذکور ہوں تشبیہ مطلق کہلاتی ہے جو فارسی شاعری میں تشبیہ کی رائج ترین قسم ہے۔

تشبیہ بلیغ:

ایسی تشبیہ جس میں وجہ شبہ اور ادات تشبیہ دونوں کو حذف کر دیا جائے اور محض طرفین تشبیہ یعنی مشبہ اور مشبہ بہ مذکور ہوں، تشبیہ بلیغ کہلاتی ہے۔ اقبال کے ہاں تشبیہ بلیغ کی نہایت خوبصورت مثالیں ملتی ہیں۔ ناقدین سخن نے تشبیہ بلیغ کو تشبیہ کی معراج اور استعارے کے قریب قرار دیا ہے۔

مشق:

درج ذیل اشعار میں تشبیہ کی نشاندہی کیجیے:

خوشا کسی کہ فرو رفت در ضمیر وجود
سخن مثال گہر بر کشید و آسان گفت

نکتہ ای می گویمت روشن چو دُر

تا شناسی امتیاز عبد و حُر
عشق ازین گنبد در بسته برون تاختن است
شیشه ماه ز طاق فلك انداختن است
هیچکس رازی که من گویم نگفت
همچو فکر من دُرِ معنی نسفت
عشق ناپید و خرد می گزدش صورت مار
گرچه در کاسهٔ زر لعل روانی دارد
مخور نادان غم از تاریکی شبها که می آید
چو انجم می درخشد داغ سیمایی که من دارم
چه کنم که فطرت من به مقام در نسازد
دل ناصبور دارم چو صبا به لاله زاری
مثال لاله فتادم به گوشهٔ چمنی
مرا ز تیر نگاهی نشانه بر جگر است
خوش آنکه رخت خرد را به شعلهٔ می سوخت
مثال لاله متاعی ز آتشی اندوخت
بیار باده که گردون به کام ما گردید
مثال غنچه نواها ز شاخسار دمید

فرهنگ:

انجم: ستاره

برگ: پتا

حُر: آزاد

خرد: عقل

در: موتی

سفتن: پرونا

عبد: بندہ، غلام

فروریختن: گر جانا

فلک: آسمان

کاسہ: پیالہ

گردون: آسمان

گزیدن: ڈسنا، ڈنک مارنا

گہر: موتی

متاع: مال و دولت

ناصبور: بے قرار

نوا: آواز

درس سوم:

استعارہ

بہر نفس کہ بر آری جہان دگرگون کن
درین رباط کہن صورت زمانہ گذر

رباط کہن (پرانی سرائے) یہاں دنیا کے لیے استعارہ ہے۔

استعارہ کے لغوی معنی ادھار مانگنے کے ہیں اور ادبی اصطلاح میں کسی لفظ کا شباہت کی وجہ سے غیر حقیقی معنوں میں استعمال استعارہ کہلاتا ہے۔ جس لفظ کو استعاراتی مفہوم میں استعمال کیا جائے اسے مستعار منہ کہتے ہیں اور جس لفظ کے لیے استعمال کیا جائے، اسے مستعار لہ کہتے ہیں۔ گویا مندرنہ بالا مثال میں رباط کہن مستعار منہ اور دنیا مستعار لہ ہے۔
استعارہ کی کئی اقسام ہیں جن میں سے زیادہ مشہور درج ذیل ہیں:

استعارہ سادہ:

استعارہ کی اس قسم میں صرف مستعار منہ (مشبہ بہ) کا ذکر ہوتا ہے جبکہ شاعر کی مراد مستعار لہ (مشبہ) ہوتا ہے۔

استعارہ کنائی:

جب صرف مستعار لہ کا ذکر کیا جائے اور مستعار منہ کے اجزائے میں سے کسی ایک کو قرینے کے طور پر لایا جائے اسے استعارۂ کنائی کہتے ہیں۔

مندرجہ ذیل اشعار میں استعارہ کی نشاندہی کیجیے:

ای غنچۂ خوابیدہ چو نرگس نگران خیز
کاشانۂ ما رفت بہ تاراج غمان خیز
حسرت جلوۂ آن ماہ تمامی دارم

دست بر سینه نظر بر لب بامی دارم

به ضمیرت آرمیدم تو بجوش خود نمایی

به کناره بر فکندی دُر آبدار خود را

سینهٔ آزادهٔ چابك نفس

طایر ایام را گردد قفس

عشق بر ناقهٔ ایام کشد محمل خویش

عاشقی؟ راحله از شام و سحر باید کرد

چشم هستی را مثال مردم است

غیر را بیننده و از خود گم است

می تپد از سوز من ، خون رگ کائنات

من به دو صرصرم ، من به غو تندرم

فرہنگ:

بام :چھت

دُرِآبدار: چمکتا ہوا موتی

طایر: پرندہ

غنچۂ خوابیدہ: سوئی ہوئی کلی

قفس: پنجرہ

کاشانہ: گھر/ٹھکانہ

ماہ تمام: چودھویں کا چاند/بدر

محمل: کجاوہ

ناقہ: اونٹنی

درس چہارم:

تشخیص

خلوت اندر تن گزیند زندگی
انجمن ها آفریند زندگی

اس شعر میں شاعر زندگی کو انسان تصور کرتے ہوئے تنہائی اختیار کرنا اور بزم آرائی جیسے انسانی افعال کو اس سے منسوب کر رہا ہے۔

تشخیص:

بے جان اشیاء یا مظاہر فطرت سے انسانی صفات منسوب کرنا تشخیص کہلاتا ہے۔

مشق:

مندرجہ ذیل اشعار میں تشخیص کی نشاندہی کیجیے۔

راہ شب چون مہر عالمتاب زد
گریۂ من بر رخ گل آب زد

عشق صیقل می زند فرہنگ را
جوہر آئینہ بخشد سنگ را

من ندیدم چہرۂ معنی ہنوز
آتشی داری اگر ما را بسوز

اگرچہ عقل فسون پیشہ لشکری انگیخت
تو دل گرفتہ نباشی کہ عشق تنہا نیست

کم سخن غنچه که در پردۂ دل رازی داشت
در هجوم گل و ریحان غم دم سازی داشت
خیال من به تماشای آسمان بود است
بدوش ماه و به آغوش کهکشان بود است
بیا که بلبل شوریده نغمه پرداز است
عروس لاله سراپا کرشمه و ناز است

فرهنگ:

انجمن: محفل

خلوت: تنہائی

رُخِ گل: پھول کا چہرہ

سنگ: پتھر

شوریدہ: بےقرار/بےچین

عالمتاب: دنیا کو روشن کرنے والا

عروس: دلہن

فرهنگ: ثقافت

فسون: جادو، فسون پیشہ: جادوگر

کم سخن: کم بولنے والا

گُزیدن: اختیار/انتخاب کرنا

مہر: سورج

درس پنجم:

مجاز

عصر من دانندۂ اسرار نیست
یوسف من بہر ایں بازار نیست

اس شعر کو غور سے پڑھیے عصر یعنی زمانہ تو جاننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لہذا یہاں عصر من سے مراد شاعر کے ہم عصر لوگ ہیں۔

مجاز: کسی لفظ کا اپنے غیر حقیقی معنوں میں استعمال جب کہ حقیقی اور غیر حقیقی معنوں میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق پایا جائے۔ یہ تعلق ادبی اصطلاح میں 'علاقہ' کہلاتا ہے جس کی رو سے مجاز کی کئی اقسام ہیں۔ مثلاً

علاقۂ جزو وکل، علاقۂ خاص وعام، علاقۂ لازم وملزوم، علاقۂ سبب ومسبب وغیرہ۔

مشق:

مندرجہ ذیل اشعار میں مجاز کی نشاندہی کیجیے:

ای کہ گفتی نکتہ ھای دلنواز
مشرق از گفتار تو دانای راز
ملوکیت سراپا شیشہ بازی است
ازو ایمن نہ رومی نہ حجازی است
برھمنی بہ غزنوی گفت کرامتم نگر
تو کہ صنم شکستہ ئی بندہ شدی ایاز را
با دل ما چہا کنی تو کہ ببادہ ی حیات
مستی شوق می دھی آب و گل پیالہ را

به فغان نه لب گشودم که فغان اثر ندارد
غم دل نگفته بهتر همه کس جگر ندارد

کس ازین نگین شناسان نگذشت بر نگینم
به تو می سپارم او را که جهان نظر ندارد

فرہنگ:

آب وگل: پانی اور مٹی

بادہ: شراب

حیات: زندگی

دانایِ راز: بھید جاننے والا

صنم: بت

عصر: زمانہ

فغاں: فریاد

ملوکیت: بادشاہت

نگین شناس: جوہر شناس

درس ششم:

تلمیح

نا امیداستم ز یاران قدیم
طور من سوزد که می آید کلیم

یہ شعر پڑھ کر حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا معجزۂ طور ذہن میں تازہ ہو جاتا ہے۔ ادبی اصطلاح میں یوں کسی تاریخی واقعے کی طرف اشارہ کرنا ''تلمیح'' کہلاتا ہے۔

تلمیح:

لغت میں آنکھ سے اشارہ کرنے اور فن بدیع کی اصطلاح میں کسی معروف تاریخی واقعے، داستان، آیت، حدیث یا قول کی طرف اشارہ کرنے کو تلمیح کہتے ہیں۔

مشق:

مندرجہ ذیل اشعار میں تلمیح کی نشاندہی کیجیے۔

بهر نرخی که این کالا بگیری سودمند افتد
به زور بازوی حیدر بده ادراک رازی را

همچو سرو آزاد فرزندان او
پخته از قالو بلیٰ پیمان او

دگر از شنکر و منصور کم گوی
خدا راهم به راه خویشتن جوی

گفت قاضی فی القصاص آمد حیات

زنـــدگـــی گیـــرد بـــه ایـــن قـــانـــون ثبـــات

چـــون درفـــش کـــاویـــانـــی چـــاك شـــد

آتـــــش اولاد ســـاســـان خـــاك شـــد

آنـــکـــه بـــر اعـــدا در رحـــمـــت کشـــاد

مـــکـــه را پیـــغـــام لا تثـــریـــب داد

فرهنگ:

ادراک:شعور رسمجھ بوجھ

اعدا:عدو کی جمع ردشمن

درفش:جھنڈا ر پرچم

قالوبلیٰ :انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں؟ روز ازل روحوں سے جو عہد و پیمان ہوا۔اس طرف اشارہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے روحوں کو مخاطب کر کے فرمایا:الست بربکم، کیا میں تمہارا پالنے والا نہیں ہوں۔ جواب میں روحوں نے کہا۔ کہ کیوں نہیں، تو ہی ہمارا رب ہے۔

کالا:ساز وسامان

لاتثریب:نہیں کوئی سرزنش تم پر۔فتح مکہ کے موقع پر آنخضرتؐ نے تمام اہل مکہ کے لیے عام معافی کا اعلان فرمایا۔

درس ہفتم:

اقبال کے ہاں فارسی شاعری کی اصناف

کلاسیکل فارسی شاعری میں ''قافیہ'' بے پناہ اہمیت کا حامل ہے جو دراصل اشعار کی صنف کا تعین کرتا ہے، کلاسیکل فارسی شاعری کی اہم ترین اصناف میں قصیدہ، غزل، مثنوی، رباعی، دوبیتی اور قطعہ شامل ہیں۔

قصیدہ:

فارسی شاعری کے زمانۂ آغاز یعنی تیسری صدی ھجری کے وسط ہی سے قصیدہ، مقبول اور رائج صنف سخن رہا ہے؛ جو عربی شاعری کے اثرات کی نشاندہی کرتا ہے۔

قصیدہ تیسری صدی ہجری سے گیارھویں صدی ہجری تک کہا جاتا رہا، لیکن جدید دور میں اس کا رواج تقریباً ختم ہو چکا ہے، تیسری سے چھٹی صدی ہجری تک کا زمانہ قصیدے کا سنہری دور ہے۔ اقبال کی فارسی شاعری میں اس صنف سخن کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔

قصیدے میں پہلا شعر مُصرَّع ہوتا ہے اور پھر ہر دوسرے مُصرَّع میں قافیہ دکھائی دیتا ہے۔ بالعموم پندرہ یا زائد اشعار ہی قصیدہ کہلاتے ہیں۔ پہلے شعر کو مطلع اور آخری شعر کو مقطع کہتے ہیں۔ قصیدہ مندرجہ ذیل چار بنیادی اجزا پر مشتمل ہوتا ہے:

الف۔ تشبیب: قصیدے کا ابتدائی حصہ جس میں بالعموم عاشقانہ مضامین اور بعض اوقات مناظر فطرت یا موسم کی تعریف بیان کی جاتی ہے اسے تغزّل بھی کہتے ہیں۔

ب۔ گریز: تمہید اور مدح کے درمیان آنے والے ایک یا دو شعر جو ان دو حصوں میں ربط اور ھم آھنگی پیدا کرتے ہیں۔

ج۔ مدعا: شاعر کا اصلی ھدف اور قصیدے کا بنیادی حصہ، جو حقیقی موضوع کا پتا دیتا ہے۔

فارسی شاعری میں مدح، سوگ، عرفان و تصوف، پند و نصائح، عشق و مستی اور مناظر فطرت کی تعریف میں قصائد

ملتے ہیں۔

د۔شریطہ ودعا: قصیدے کا آخری حصہ جس میں شاعر ممدوح یا محبوب کے لیے دعائیہ کلمات ادا کرتا ہے۔

رودکی سمرقندی، فرخی سیستانی، منوچہری دامغانی، ناصرخسرو قبادیانی، مسعود سعد سلمان، انوری، خاقانی شروانی، سعدی شیرازی، قاآنی شیرازی، ملک الشعرا علامہ محمد تقی بہار فارسی کے عظیم قصیدہ گو شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔

مشق:

﴿درود بہ پاکستان﴾

قصیدۂ ملک الشعرا بہار

همیشه لطف خدا باد یار پاکستان
به کین مباد فلك با دیار پاکستان
سزد کراچی و لاهور قبة الاسلام
که هست یاری اسلام کار پاکستان
مدام تشنهٔ صلح است ملّتش هر چند
که نیست کم ز کسی اقتدارِ پاکستان
تپد چو طفل ز مادر جدا دل کشمیر
که سر ز شوق نهد در کنار پاکستان
ز سویِ مردم ایران هزار گونه درود
به ساکنان سعادت مدارِ پاکستان
ز ما درود بر آن روح پر فتوح بزرگ
جناح رهبر والا تبارِ پاکستان

درود باد به روح مطهر اقبال
که بود حکمتش آموزگار پاکستان
هزار بادۂ ناخورده وعده داد که هست
ازان یکیش می بی خمار پاکستان
گمان مبر که بود بیشتر از ایرانی
کسی به رویِ زمین دوستدار پاکستان
به یادگار بهار این قصیده گفت و نوشت
همیشه لطف خدابادیار پاکستان

فرھنگ:

آموزگار: استاد/سکھانے والا

تپیدن: تڑپنا

تشنۂ صلح: صلح کا پیاسا

حکمت: دانائی

خمار: مستی

درود: سلام/سلامتی

دوستدار: محبت کرنے والا

رھبر: راھنما/قائد

فلک: آسمان

کنار: آغوش

کین :دشمنی

لطف خدا: خدا کی مہربانی رلطف وکرم

مباد: ایسا نہ ہو

مطہر: پاکیزہ

درس ہشتم:

غزل

غزل اور قصیدے کی ظاھری ساخت میں کوئی فرق نہیں، بلکہ قصیدے کے ابتدائی اشعار یعنی تشبیب یا تغزل ہی غزل کی بنیاد بنے۔ لیکن اس صنف سخن میں اشعار کی تعداد نسبتاً کم ہوتی ہے۔ ناقدین ایک مکمل غزل کے لیے کم از کم پانچ اشعار کی شرط عائد کرتے ہیں۔ شاعر سات، نو یا گیارہ اشعار پر مشتمل غزل بھی کہہ سکتا ہے۔ مولانا روم نے غیر معمولی طویل غزلیات بھی کہی ہیں۔ حسن و عشق اور عرفان و تصوف کے ساتھ ساتھ سماجی مسائل بھی فارسی غزل کا اہم موضوع رہے ہیں، غزل کے عروج کا زمانہ چھٹی صدی ہجری کے بعد کا عہد ہے اور آج تک اسے مقبول ترین صنف سخن کا درجہ حاصل ہے۔ مولانا روم، سعدی شیرازی، امیر خسرو، حافظ شیرازی، نظیری نیشاپوری اور صائب تبریزی کو غزلگوئی میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ اقبال کے فارسی کلام میں فنی اعتبار سے عمدہ اور فکری اعتبار سے بے مثال غزلیات ملتی ہیں۔ مجموعی طور پر اقبال کو فارسی غزل کے اہم ترین شعرا کی صف میں شامل کیا جا سکتا ہے۔

اقبال کی غزلیات میں بعض دیگر عظیم شعرا کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ جس کا جائزہ آئندہ اسباق میں پیش کیا جا رہا ہے۔

مشق:

من بندۂ آزادم عشق است امام من
عشق است امام من عقل است غلام من
ھنگامۂ این محفل از گردشِ جام من
این کوکب شام من این ماہ تمام من
جان در عدم آسودہ بی ذوق تمنا بود
مستانہ نواھا زد در حلقۂ دام من

ای عالم رنگ و بو این صحبت ما تا چند
مرگ است دوامِ تو، عشق است دوام من
پیدا به ضمیرم او پنهان به ضمیرم او
این است مقام او دریاب مقام من

مندرجہ بالا اشعار

۱: فارسی شاعری کی کون سی صنف سخن ہیں؟

۲: مطلع، مقطع، ردیف، قافیہ اور کلماتِ قافیہ کی نشاندہی کریں۔

۳: ادبی اصطلاحات کو الگ کریں۔

فرھنگ:

پنہان: پوشیدہ/ چھپا ہوا

تمنا: آرزو

جام: پیالہ

دام: جال

دریافتن: پالینا

دوام: ھمیشگی

صحبت: گفتگو

عالمِ رنگ و بو: رنگ وخوشبو کی دنیا

کوکب: ستارہ

ماہ: چاند

درس نہم:

اقبال کی غزل گوئی

اقبال نے غزل گوئی میں فارسی کے بعض عظیم شعرا کی پیروی کی ہے، جن میں مولانا روم، سعدی شیرازی، امیر خسرو، حافظ شیرازی، فغانی شیرازی، نظیری نیشاپوری، صائب تبریزی اور غالب دھلوی بے حد نمایاں ہیں۔ یاد رہے کہ اقبال نے اگرچہ فنی اعتبار سے ان شعرا کے اثرات قبول کیے لیکن فکری سطح پر اقبال کا انداز اور اسلوب منفرد اور بے مثال ہے۔ ذیل میں اقبال اور دیگر شعرا کی غزلیات کا تطبیقی مطالعہ پیش کیا جاتا ہے۔ جس سے اس عظیم فلسفی شاعر کے فکری اور فنی اسلوب کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

اقبال اور مولانا روم (۱)

مولانا جلال الدین محمد، ۶۰۴ھ ق میں موجودہ افغانستان کے شہر بلخ میں، اس عہد کے معروف مفتی وفقیہ بہاء الدین ولد کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کے لڑکپن ہی میں یہ خاندان ھجرت کر کے موجودہ ترکی کے شہر قونیہ میں آباد ہو گیا۔ ۶۲۸ھ میں والد کی وفات کے بعد مسند وعظ وارشاد سنبھالی۔ لیکن ۶۴۲ھ میں ایک مجذوب درویش شمس تبریزی سے ملاقات نے انہیں ایک عارف وارستہ، عاشق شیفتہ اور شاعر باکمال کے روپ میں ڈھال دیا۔ شمس سے وصال اور ھجر وفراق کی کیفیات کا پرتو کلیات شمس کی صورت میں ہمارے سامنے ہے۔ ان کے ایک مرید حسام الدین چلپی نے انہیں سنائی غزنوی کی حدیقۃ الحقیقۃ اور عطار نیشاپوری کی منطق الطیر کی پیروی میں مثنوی لکھنے پر آمادہ کیا، اور یوں فارسی ادب کا لافانی شاھکار وجود میں آیا۔ مولانا نے ۶۷۲ھ میں قونیہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

اقبال کی شاعری پر مولانا روم کے اثرات کسی بھی دوسرے شاعر، مفکر یا فلسفی سے کہیں زیادہ ہیں بلکہ وہ انہیں اپنا مرشد معنوی قرار دیتے ہوئے پیر رومی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مشق:

غزل مولانا

بنمای رخ که باغ و گلستانم آرزوست
بگشای لب که قند فراوانم آرزوست
زین همرهان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
دی شیخ با چراغ همی گشت گردِ شهر
کز دیو و دد ملولم و انسانم آرزوست
گفتند یافت می نشود جسته ایم ما
گفت آنك یافت می نشود آنم آرزوست
باقی این غزل را ای مطربِ ظریف
زین سان همی شمار که زین سانم آرزوست

غزل اقبال

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
با من میا که مسلك شبیرم آرزوست
از بهرِ آشیانه خس اندوزیم نگر
باز این نگر که شعلهٔ در گیرم آرزوست
گفتند لب ببند و ز اسرارِ ما مگو
گفتم که خیر نعرهٔ تکبیرم آرزوست
گفتند هر چه در دلت آید ز ما بخواه

گفتم کہ بی حجابیِ تقدیرم آرزوست
کو آن نگاہِ ناز کہ اول دلم ربود
عمرت دراز باد ھمان تیرم آرزوست

مشق:

ان غزلیات میں سے ادبی اصطلاحات اور مشترکات کی نشاندہی کریں۔

فرھنگ:

بی حجاب: بے پردہ
خس: تنکا
خیر: نہیں
دی: دیشب: گذشتہ رات
رخ۔ چہرہ
گشودن۔ کھولنا
مسلک: راستہ
مطرب: موسیقار، ساز بجانے والا
نمودن۔ دکھانا
کُو: کہاں
ربودن: چرالینا

اقبال اور مولانا رومؒ:

غزل مولانا

جانا نظری فرما چون جانِ نظرهایی
چون گویم و دل بردی چون عینِ دل مایی
ای یار بکش دستم آنجا که تو آنجایی
ای روح چه می ترسی روحی نه تن و نفسی
تن معدنِ ترس آمد تو عیش و تماشایی
صبحا نفسی داری سرمایهٔ بیداری
برخفته دلان بردم انفاسِ مسیحایی
شمس الحق تبریزی خورشید چو استاره
در نور تو گم گردد چون شرق بر آرایی

غزل اقبال

این گنبد مینائی این پستی و بالایی
در شد به دلِ عاشق با این همه پهنایی
اسرارِ ازل جویی؟ برخود نظری وا کن
یکتایی و بسیاری، پهنایی و پیدایی
برخیز که فروردین افروخت چراغِ گل
برخیز و دمی بنشین بالالهٔ صحرایی
عشق است و هزار افسون حسن است هزارآئین
نی من به شمار آیم نی تو به شمار آیی
هم با خود و هم بااوهجران که وصال است این؟

ای عقل چه می گویی ای عشق چه می فرمایی

مشق:

مندرجہ بالا غزلیات میں سے ادبی اصطلاحات کی نشاندھی اور مشترکات کو بیان کیجئے۔

فرہنگ:

افسون: جادو

افشاندن: چھڑکنا

انفاس: نفس کی جمع، سانس

آسودن: آرام کرنا

پا کوفتن: پاؤں مارنا/دھمال ڈالنا/رقص کرنا

پہنائی: وسعت

ترسیدن: ڈرنا

جستن: ڈھونڈ نا

خاییدن: چبانا

شعبدہ: جادو/کرتب

فروردین: ایرانی تقویم کا پہلا مہینہ (۲۱ مارچ سے ۲۰ اپریل تک)، موسم بہار کا آغاز

کشیدن: کھینچنا

لحظہ: لمحہ

معدن: کان

درس دھم:

اقبال وسعدی

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی (۶۰۶ھ۔۶۹۱ھ) کا شمار فارسی شعروادب کی تاریخ کے ممتاز ترین ناموں میں ہوتا ہے، جن کے عظیم منثور ومنظوم آثار گذشتہ سات صدیوں سے اپنی اہمیت وافادیت کو برقرار رکھے ہوئے ہیں۔

سعدی شیراز کے مردم خیز شہر میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد کے سایۂ شفقت سے محروم ہوگئے۔ بعدازاں بغداد کے مدرسہ نظامیہ میں بھی زیر تعلیم رہے۔

سعدی نے زندگی کے تقریباً پچاس برس سیر وسیاحت میں بسر کیے جس کے گہرے اثرات ان کی تحریروں میں بھی نمایاں ہیں۔ بعدازاں شیراز میں مستقل سکونت اختیار کی اور اتابکان فارس میں سے ایک ابوبکر سعدالدین زنگی کے حوالے سے سعدی تخلّص اختیار کیا۔ ۶۵۵ھ میں اخلاقی مثنوی ''بوستان'' اور ۶۵۶ھ میں عظیم نثری شاہکار ''گلستان'' کو تحریر کیا۔ اسی سال بغداد کی عباسی سلطنت ھلاکو خان کے ھاتھوں اختتام کو پہنچی، اس موقع پر سعدی نے سقوطِ بغداد پر زور دار مرثیہ بھی کہا۔

سعدی ایک قادر الکلام شاعر ہیں۔ تمام ناقدین انہیں فارسی زبان کا مسلم الثبوت استاد اور فصیح ترین شاعر و ادیب تسلیم کرتے ہیں۔ انہیں اخلاقی شاعری کے حوالے سے بھی بے حد اھم مقام حاصل ہے۔ عاشقانہ غزل کہنے میں ان کا کوئی ثانی نہیں۔ جبکہ قطعہ نگاری کو بھی انہوں نے نقطۂ کمال تک پہنچا دیا۔ اگرچہ اقبال اور سعدی کی غزلیات میں فکری اعتبار سے مماثلت نہیں پائی جاتی لیکن فنی مشترکات ضرور ملتے ہیں۔

غزل سعدی

دلی کہ عاشق و صابر بود مگر سنگ است
ز عشق تا بہ صبوری ھزار فرسنگ است
برادرانِ طریقت نصیحتم مکنید

که توبه در رهِ عشق آبگینه بر سنگ است
چه تربیت شنوم یا چه مصلحت بینم؟
مرا که چشم به ساقی و گوش بر چنگ است
به خشم رفتهٔ ما را که می برد پیغام؟
بیا که ما سپر انداختیم اگر جنگ است
ملامت از دلِ سعدی فرونشوید عشق
سیاهی از حبشی چون رود که خود رنگ است

غزل اقبال

بیا که ساقی گلچهره دست بر چنگ است
چمن ز بادِ بهاران جواب ارژنگ است
نگاه می رسد از نغمهٔ دل افروزی
به معنی ای که برو جامهٔ سخن تنگ است
ز عشق درس عمل گیر و هرچه خواهی کن
که عشق جوهر هوش است و جانِ فرهنگ است
ز خود گذشته ای ،ای قطرهٔ محال اندیش
شدن به بحر و گهر برنخاستن ننگ است
تو قدرِ خویش ندانی بها ز تو گیرد
وگرنه لعل درخشنده پارهٔ سنگ است

مشق:

مذکورہ غزلیات میں ادبی اصطلاحات اور مشترکات کا جائزہ لیں۔

فرھنگ:

ارژنگ: ساسانی دور کے عظیم مصور مانی کی تصویری کتاب کا نام ۔ جسے وہ دعویٰ پیغمبری کے ثبوت کے طور پر پیش کرتا تھا۔

باعث ننگ: باعث شرم

بحر: سمندر

بی مشاھدہ: بغیر دیکھے

پارہ: ٹکڑا

چنگ: رباب، آلۂ موسیقی

خشم: غصہ

درخشندہ: چمکتا ہوا

سپر: ڈھال

سنگ: پتھر

صبور: صبر

فراخنای: وسعت

فرھنگ: ثقافت

گلچہرہ: پھول سے چہرے والا

نیرنگ: جادو

ہوش: ذہانت

درس یازدھم:

اقبال وعراقی

فخر الدین عراقی ساتویں صدی ھجری کے نامور غزل گو شاعر ہیں ۔ جذبۂ عشق ان کی غزلیات کا اھم ترین موضوع ہے ۔ اگر چہ ان کا تعلق ھمدان سے تھا لیکن عشق کی کشش کے زیر اثر ملتان آ پہنچے اور تصوف میں وہ مقام و مرتبہ حاصل کیا کہ سہروردی سلسلے کے عظیم صوفی حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے خرقۂ خلافت پایا۔ مرشد کے وصال کے بعد شام کا سفر اختیار کیا اور ۶۸۸ ھ میں دمشق میں انتقال فرمایا اور محی الدین ابن عربی کے پہلو میں دفن ہوئے ۔

ان کے کلام میں سادگی اور سلاست نمایاں ہے وہ سوز درون اور باطنی کیفیات کے اظہار پر قادر دکھائی دیتے ہیں ۔ اقبال نے بھی انہی کیفیات کے ابلاغ کے لیے عراقی کے اثرات قبول کیے ہیں ۔

غزل عراقی

نخستین باده کاندر جام کردند
ز چشم مستِ ساقی وام کردند
به گیتی هر کجا دردِ دلی بود
بهم کردند و عشقش نام کردند
جمالِ خویشتن را جلوه دادند
به یك جلوه دو عالم رام کردند
نهان با محرمی رازی بگفتند
جهانی را از آن اعلام کردند
چو خود کردند راز خویشتن فاش
عراقی را چرا بدنام کردند؟

غزل اقبال

فنا را بادۂ هر جام کردند
چه بیدردانه او را عام کردند
تماشا گاه مرگ ناگهان را
جهان ماه و انجم نام کردند
اگر یک ذره اش خوی رم آموخت
به افسون نگاهی رام کردند
قرار از ما چه می جویی که مارا
اسیرِ گردش ایام کردند
خودی در سینۂ چاکی نگهدار
ازاین کوکب چراغِ شام کردند

مشق:

مندرجہ بالا غزلیات میں ادبی اصطلاحات اور مشترکات کی نشاندھی کریں۔

فرھنگ:

اعلام کردن: اعلان کرنا

افسون: جادو

انجم: ستارہ

بادہ: شراب

بہم کردن: اکٹھا کرنا

خوی رم: عادت گریز پائی

کوکب: ستارہ

گیتی: دنیا

ماہ: چاند

محرم: رازدار

ناگہان: اچانک

نخستین: سب سے پہلا

وام کردن: ادھار لینا

درس دوازدھم:

اقبال اور خسرو

یمین الدولہ ابوالحسن امیر خسرو دھلوی (۶۵۱ھ۔۷۲۵ھ) برصغیر کے فارسی شعرا میں ممتاز ترین مقام کے حامل ہیں۔ انہیں جو شہرت و مقبولیت میسر آئی وہ بالخصوص برصغیر کے کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہ ہوئی۔ امیر خسرو نے اپنے فصیح و بلیغ کلام سے ثابت کر دیا کہ فارسی شاعری صرف اھل زبان ہی کا خاصہ نہیں۔ بقول شبلی نعمانی امیر خسرو کی غزل خمخانۂ سعدی ہی کی شراب ہے جو دو آتشہ ہوگئی ہے۔ سعدی نے فارسی غزل کو جذبے کی سچائی، زبان کی سادگی، سوز و گداز اور بے تکلف اندازِ بیان عطا کیا، یہ تمام محاسن خسرو کے ھاں بھی موجود ہیں اور مستزاد یہ کہ چھوٹی بحروں میں نہایت اختصار اور بے ساختگی کے ساتھ جذبات و احساسات کی ترجمانی خسرو ہی کا خاصہ ہے۔ اقبال کے ہاں خسرو کی پیروی میں متعدد غزلیات ملتی ہیں جو بیشتر صوفیانہ اور عارفانہ مفاھیم کی حامل ہیں۔

غزل خسرو

ھمہ شب فرو نیاید بہ دلم کرشمہ سازی
ز شب است اینکہ دارم غم و نالۂ درازی
بہ جفا کلاہِ کج نہ چو شناختی حدِ خود
کہ میان شاھسواران چو تونیست شاھبازی
ھمہ شب چو شمع باشم بہ چنین خیال پختن
کہ طفیل شمع پیشت بودم شبی گدازی
چو ندارم این سعادت کہ بہ گریہ پات شویم
ز پی رہ تو شستن من و گریہ نیازی
ھمہ خونست اشك خسرو، ھمہ این بود ضرورت

پسر سبکتگین را چو به دل بود ایازی

غزل اقبال

به ملازمان سلطان خبری دهم زرازی
که جهان توان گرفتن به نوای دلگدازی
به متاعِ خود چه نازی که به شهر دردمندان
دل غزنوی نیرزد به تبسم ایازی
همه ناز بی نیازی هم ساز بی نوایی
دل شاه لرزه گیرد ز گدای بی نیازی
ز مقام من چه پرسی به طلسم دل اسیرم
نه نشیب من نشیبی نه فرازِ من فرازی
ره عاقلی رها کن که به او توان رسیدن
به دل نیازمندی به نگاه پاکبازی

مشق:

مندرجہ بالا غزلیات میں ادبی اصطلاحات اور مشترکات کی نشاندھی کریں۔

فرھنگ:

فرودآمدن: نیچے آنا
اشک: آنسو
پسر سبکتگین: مراد سلطان محمود غزنوی
تبسم: مسکراہٹ

تغافل: غفلت

چپ وراست: بایاں اور دایاں

ستیز: لڑائی

سعادت: خوش بختی

شستن: دھونا

طلسم دل: دل کا جادو

فراز: بلندی

کج: ٹیڑھا

کلاہ: پگڑی

گنجیدن: سمانا

متاع: دولت

نشیب: پستی

نوای دلگداز: دل کو پگھلا دینے والی آواز

درس سیزدھم:

اقبال وحافظ

فارسی شاعری کی تاریخ کے عظیم ترین غزلگو خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی، آٹھویں صدی ھجری کے تیسرے عشرے کے اواخر میں شیراز میں پیدا ہوئے اور اسی صدی کی آخری دہائی میں داعی اجل کو لبیک کہا اور شیراز ھی میں ان کی آخری آرامگاہ ہے۔

ناقدین سخن اور اھل علم وادب متفقہ طور پر حافظ کی غزلیات کو فارسی شاعری کی معراج قرار دیتے ہیں۔ان کی شعرگوئی کے بارے میں افسانوی روایات مشہور ہیں۔انہیں غیر معمولی شہرت ومقبولیت کی بنا پر لسان الغیب کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔چنگیز اور ھلاکو کے ہاتھوں عالم اسلام بالخصوص ایران کی تباہی و بربادی اور دگرگون سماجی ومعاشرتی حالات کی بنا پر حافظ کے ہاں فلسفہ جبر کے رجحانات ملتے ہیں، جو اقبال کی متحرک اور انقلابی سوچ سے متصادم ہیں، غالبًا اسی بنا پر اقبال نے ''الحذر از حافظ صہبا گسار'' کہہ کر اپنے عہد کے مسلمانوں کو کلام حافظ پر حاوی یاسیت سے دور رہنے کا مشورہ دیا لیکن انہیں فارسی شاعری میں حافظ کے بلند مقام کو تسلیم کرنے میں کوئی باک نہیں، یہاں تک کہ اقبال پکار اٹھتے ہیں کہ غزل کہتے ہوئے گویا حافظ کی روح میرے اندر حلول کر جاتی ہے۔جس سے اقبال کی شاعری پر حافظ کے گہرے اثرات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

غزل حافظ

زاھدِ ظاھر پرست از حالِ ما آگاہ نیست
در حق ما ھر چہ گوید جای اکراہ نیست
در طریقت ھر چہ پیشِ سالك آید خیر اوست
در صراطِ مستقیم ، ای دل ، کسی گمراہ نیست
چیست این سقفِ بلندِ سادۂ بسیار نقش

زین معما هیچ دانا در جهان آگاه نیست
بر درِ میخانه رفتن کار یک رندان بود
خود فروشان را به کوی می فروشان راه نیست
حافظ ار بر صدر نشیند ز عالی مشربی است
عاشق دردی کش اندر بندِ مال و جاه نیست

غزل اقبال

از نوا برمن قیامت رفت و کس آگاه نیست
پیش محفل جز بم و زیر و مقام و راه نیست
لب فروبند از فغان در ساز با دردِ فراق
عشق تا آهی کشد از جذب خویش آگاه نیست
شعله ای می باش و خاشاکی که پیش آید بسوز
خاکیان را در حریم زندگانی راه نیست
جرۂ شاهین به مرغان سرا صحبت مگیر
خیز و بال و پر گشا پروازِ تو کوتاه نیست
در غزل اقبال احوال خودی را فاش گفت
زانکه این نو کافر از آئین دیر آگاه نیست

مشق:

مندرجہ بالا غزلیات میں ادبی اصطلاحات اور مشترکات کی نشاندھی کریں۔

فرھنگ:

اکراہ: کراھت/اجتناب

اندام: بدن

آمیختن: ملانا

آئین: اصول

بند: بندھن

بندہ: غلام

جرّہ شاھین: عقاب کا بچہ

خودفروش: خودکو بیچنے والا

دائم: ہمیشہ

دیر: بتکدہ

دُرد: تلچھٹ

زیروبم: اتارچڑھاؤ

سقف: اندرونی چھت.

شبتاب: جگنو

شبستان: رات بسر کرنے کی جگہ

فراق: جدائی/ھجر

فروبستن: بندکردینا

فغان: نالہ وفریاد

کبر: بڑائی/بزرگی

مجال: حوصلہ

مستقیم: سیدھا

معما: پہیلی

می فروش: شراب بیچنے والا

ناتمام: نامکمل

درس چہاردھم:

اقبال وجامی

نورالدین ابوالبرکات عبدالرحمٰن جامی (۸۱۷ھ۔۸۹۸ھ) نویں صدی ھجری کے عظیم صوفی شاعر ہیں۔بعض ناقدین سخن نے انہیں حافظ کے بعد کے دور کا سب سے بڑا شاعر قرار دیا ہے، اور کچھ اھل نقد وتحقیق انہیں خاتم الشعرا بھی گردانتے ہیں۔ان کی غزلیات میں عاشقانہ مضامین بھی ہیں اور عارفانہ وحکیمانہ مطالب بھی۔رسول اکرمؐ کی شان میں کہی گئی غزلیہ نعتیں بلاشبہ اپنی مثال آپ ہیں۔اقبال نے اسرار ورموز میں جامی کے بارے میں یوں اظہار خیال کیا ہے:

کشتۂ انداز ملا جامی ام
نظم و نثر او علاج خامی ام
شعر لبریز معانی گفتہ است
در ثنایِ خواجہ گوھر سفتہ است
"نسخۂ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست"

سبک عراقی جامی پر ختم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد سبک ھندی کا آغاز ہوتا ہے۔البتہ قابل ذکر ہے کہ خیال بندی کا اسلوب جو سبک ہندی کی خصوصیت اور پہچان ہے، جامی کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے۔جامی نے غزلگوئی میں سعدی شیرازی، امیر خسرو، حسن دھلوی اور کمال خجندی کی پیروی کی ہے۔اقبال کے ہاں جامی کے رنگ میں متعدد غزلیات ملتی ہیں۔

غزل جامی

بام بر آ و جلوہ دہ ماہِ تمام خویش را
مطلع آفتاب کن گوشۂ بام خویش را

با همه می رسد غمت قسمت بنده هم بده
خاص به دیگران مکن رحمت عام خویش را
برد متاع هستی اش زود به کشور عدم
هر که به دستِ عشق تو داد زمام خویش را
بر من خسته دل مزن طعنه به مهر نیکوان
صید کس دگر مخوان آهویِ دام خویش را
جامی تشنه لب که شد خاك ز شوقِ لعل تو
باده خور و بر او فشان جرعهٔ جام خویش را

غزل اقبال

بر سرِ کفر و دین فشان رحمت عام خویش را
بند نقاب بر گشا ماهِ تمام خویش را
زمزمهٔ کهن سرای گردش باده تیز کن
باز به بزم ما نگر آتش جام خویش را
دام ز گیسوان بدوش زحمت گلستان بری
صید چرا نمی کنی طایر بام خویش را
دوش به راهبر زند راه یگانه طی کند
می ندهد به دست کس عشق زمام خویش را
قافلهٔ بهار را طایرِ پیش رس نگر
آنکه به خلوت قفس گفت پیام خویش را

مشق:

مندرجہ بالا غزلیات میں ادبی اصطلاحات و خصائص اور دونوں شاعروں کے ہاں پائی جانے والی مشترکہ خوبیوں کا جائزہ لیں۔

فرھنگ:

آھو: ہرن

بام: چھت

جرعہ: گھونٹ

خلوت: تنہائی

دام: جال

زمام: لگام/ باگ دوڑ

زمزمۂ کہن: پرانا نغمہ

صید: شکار

طایر پیش رس: پہلے پہنچنے والا پرندہ

قسمت: حصہ

قفس: پنجرہ

گیسو: زلفیں

ماہ تمام: پورا چاند/ بدر

مہر: محبت

درس پانزدھم:

اقبال اور فغانی

بابا فغانی نویں صدی ھجری کے اواخر اور دسویں صدی ھجری کے اوائل کے مشہور شاعر بلکہ اپنے عہد کا عظیم ترین غزلگو ہیں۔ پہلے ''سکاکی'' پھر ''فغانی'' تخلّص اختیار کیا۔فغانی نے حافظ کے اسلوب اور انداز میں اور معارف وحقائق کو عشق کی زبان میں بیان کیا ہے،اس بنا پر محققین نے انہیں ''حافظ کوچک'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

فغانی نے غزل کا ایک نیا اسلوب ایجاد کیا جسے ''طرز فغانی'' کہتے ہیں۔محتشم کاشانی،نظیری نیشاپوری،عرفی شیرازی اور وحشی بافقی جیسے عظیم شعرا نے فغانی کی پیروی میں شعر کہے ہیں۔دراصل فغانی کی شاعری سبک ھندی کا آغاز ہے۔اس کے ہاں نازک خیالی اور وقوع گوئی عام ہیں جو سبک ہندی کے بنیادی عناصر ہیں۔

اقبال نے غزل گوئی میں فغانی سے بھی اثرات قبول کیے ہیں۔

غزل فغانی

نه خوی نازکت از غیر دیگر گون شود روزی
نه این رشك از دل پر خون من بیرون شود روزی
به بزمت داشتم جامی به صد شادی ندانستم
که از چشم بدم این باده در دل خون شود روزی
به چشم کم مبین ای عیب جو اشكِ نیازِ من
که اندك اندك آب تنك جیحون شود روزی
به مردن هم ندارد رستگاری عاشقِ مسکین
دلا این نکته ات معلوم از مجنون شود روزی
ز بیم یار نفرینِ رقیبم بر زبان آمد

فغانی این دعا شاید که بر گردون شود روزی

غزل اقبال

فروغ خاکیان از نوریان افزون شود روزی
زمین از کوکب تقدیر ما گردون شود روزی
خیال ما که او را پرورش دادند طوفانها
ز گردابِ سپهر نیلگون بیرون شود روزی
یکی در معنی آدم نگر از من چه می پرسی
هنوز اندر طبیعت می خلد موزون شود روزی
چنان موزون شود این پیش پا افتاده مضمونی
که یزدان را دل از تأثیر او پُر خون شود روزی

مشق:

مذکورہ غزلیات میں ادبی خصائص کی نشاندہی کیجیے، نیز دونوں شعرا کے مشترکات کا جائزہ لیجیے۔

فرھنگ:

اندک: تھوڑا سا

بیم: خوف

خاکی: مراد انسان

خلیدن: کھٹکنا

دیگرگون شدن: درھم برھم ہوجانا

رستگاری: نجات

سپہر: آسمان

شادی: خوشی

عیب جو: عیب ڈھونڈنے والا

کوکب تقدیر: تقدیر کا ستارہ

گرداب: بھنور

گردون: آسمان

گلگوں: پھول جیسا

محبّ: محبت کرنے والا

نوری: مراد فرشتہ

یزدان: خدا

درس شانزدھم:

اقبال وعرفی

جمال الدین عرفی شیرازی (۹۶۳۔۹۹۹ھ ق) دسویں ھجری کا بے مثال شاعر ہے۔اگر چہ عرفی کی اصل وجہ شہرت قصیدہ گوئی ہے لیکن اس کی غزلیات بے حد لنشیں اور دلپذیر ہیں۔وہ خود بھی اپنے آپ کو ایک سچا غزل گو قرار دیتا ہے ۔قصیدہ کہنے سے تو محض تن کی دنیا آباد ہوتی ہے جبکہ غزل گوئی سے دل کی دنیا پر بہار آتی ہے:

قصیدہ کار ھوس پیشگان بود عرفی
تو از قبیلۂ عشقی وظیفہ ات غزل است

عرفی نے شیراز کے ایک عالی رتبہ خاندان میں جنم لیا، پھر برصغیر کی راہ لی ، اس نے حکیم ابوالفتح گیلانی ، عبدالرحیم خانخانان،شہنشاہ اکبراور شہزادہ سلیم کی شان میں قصائد کہے ہیں۔عرفی ایک انا پسنداور خود پرست شاعر تھا جس کی واضح مثالیں اس کی شاعری میں جابجا ملتی ہیں۔عرفی نے عالم جوانی ہی میں لاھور میں داعی اجل کو لبیک کہا اور مشہور روایت کی رُو سے اپنی ایک پیش گوئی کے مطابق ایک درویش اس کی ھڈیوں کو سمیٹ کر نجف اشرف لے گیا۔ بانگ درا میں ''عرفی'' کے عنوان سے ایک نظم موجود ہے، جس کا مطلع کچھ یوں ہے:

محل ایسا کیا تعمیر عرفی کے تخیل نے
تصدق جس پہ حیرت خانۂ سینا و فارابی

اقبال کے اردو و فارسی کلام پر عرفی کے اثرات خاصے نمایاں ہیں۔

غزل عرفی

خیز و بہ جلوہ آب دہ سرو چمن طراز را
آب و ھوا زیاد کن باغچہ نیاز را
صورت حال چون شود بر تو عیان کہ می برد

نـــاز تـــو جـــنبـــــش از قـــلـــم چهـــره گشـــای راز را
تـــا حـــرم فـــرشتـــگـــان از دل و دیـــن تهـــی شـــود
رخـــصـــت جـــلـــوه ای بـــده حـــجـــلـــه نشیـــن راز را
ای کـــه گشـــوده چشـــم جـــان در طـــلـــب حـقیـقتـی
طـــرف نـــقـــاب بـــر فـــکـــن پـــردگـــی مـــجـــاز را
شـــربـــت نـــاز را کـــنـــد تـــلـــخ بـــه کـــام دلبـــران
عـــرفـــی اگـــر بیـــان کـــنـــد چـــاشـــنـــی نیـــاز را

غزل اقبال

خیـــز و نـــقـــاب بـــر گشـــا پـــردگیـــان ســـاز را
نـــغـــمـــه تـــازه یـــاد ده مـــرغ نـــوا طـــراز را
دیـــدۀ خـــوابـــنـــاكِ او گـــریـــه چـــمـــن گشـــوده ای
رخـــصـــتِ یك نـــظـــر بـــده نـــرگـــس نیـــم بـــاز را
حـــرف نـــگـــفـتـــۀ شـــمـــا بـــر لـــب کـــود کـــان رسیـــد
از مـــن بـــی زبـــان بـــگـــو خـــلـــوتیـــان راز را
گـــرچـــه متـــاع عشـــق را عـــقـــل بهـــای کـــم نهـــد
مـــن نـــدهـــم بـــه تـــخـــت جـــمِ آه جـــگـــر گـــداز را
بـــرهـــمـــنـــی بـــه غـــزنـــوی گـــفـــت کـــرامتـــم نـــگـــر
تـــو کـــه صـــنـــم شـــکستـــه ای بـــنـــده شـــدی ایـــاز را

مشق:

مذکورہ غزلیات میں سے ادبی اصطلاحات اور مشترکات کا بغور جائزہ لیجیے۔

فرھنگ:

بہا: قیمت

تہی: خالی

حجلہ نشین: پردہ نشیں

دیدۂ خوابناک: خواب آلود آنکھیں

رخصت: اجازت

عیان: آشکار

کودکان: بچے

متاع عشق: عشق کی دولت

نیم باز: آدھی کھلی ہوئی

درس هفدهم:

اقبال اور نظیری

میرزا محمد حسین نیشاپوری (وفات: ۱۰۲۱ھ) دسویں اور گیارھویں صدی ھجری کے عظیم ترین شعرا میں سے ایک ہیں۔ بالخصوص غزلگوئی میں ان کا مقام بہت بلند ہے۔ ان کی غزلیات میں عارفانہ سوچ بھی ملتی ہے اور فلسفیانہ افکار بھی، واردات و کیفیات قلبی کا برملا اظہار بھی دکھائی دیتا ہے اور عشق و محبت کے اسرار و رموز بھی۔ زبان صاف و سادہ ہے اور اندازِ بیان تیکھا۔ وہ خود کو حافظ کا مقلد بھی کہتے ہیں۔

اقبال نے نظیری سے گہرے اثرات قبول کیے ہیں۔ بلکہ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ اقبال کی بہترین غزلیات نظیری کی پیروی ہی میں کہی گئی ہیں اور بالخصوص انہی غزلیات میں اقبال ایک عظیم غزل گو شاعر کے روپ میں دکھائی دیتے ہے۔

غزل نظیری

گریزد از صفِ ما هر که مردِ غوغا نیست
کسی که کشته نشد از قبیلهٔ ما نیست
ز پای تا به سرش ناز و غمزه در اعراض
هزار معرکه و رخصتِ تماشا نیست
به حکم عقل عمل در طریق عشق مکن
که راه دور کند رهبری که دانا نیست
فلك سراسر بازارِ دهر غم چیدست
نشاط نیست که یك جامی هست یك جا نیست
نظیری است به حالی ز غمزه خونین تر

به شکوه تا دلت آزرده است گویا نیست

غزل اقبال

ز خاک خویش طلب آتشی که پیدا نیست
تجلی دگری درخور تقاضا نیست
به ملک جم ندهم مُصرَّعِ نظیری را
کسی که کشته نشد از قبیلۂ ما نیست
مرید همت آن رهروم که پا نگذاشت
به جاده ای که در و کوه و دشت و دریا نیست
شریک حلقۂ رندانِ باده پیما باش
حذر ز بیعت پیری که مرد غوغا نیست
برهنه حرف نگفتن کمال گویایی است
حدیثِ خلوتیان جز به رمز و ایما نیست

مشق:

مذکورہ غزلیات میں ادبی اصطلاحات اور مشترکات کا جائزہ لیں۔

فرھنگ:

ایما: اشارہ
آزردہ: غمگین
بربط: ساز
تجلّی: جلوہ

جمال: خوبصورتی

درخور بودن: شایانِ شان ہونا

دریا: سمندر

دشت: جنگل/صحرا

دھر: دنیا

رخصت: اجازت

رمز: راز

شکوہ: شکایت

عذر: معذرت

فرصت: وقت/موقع

کیش: دین/مذہب

مردِ غوغا: فریاد کرنے والا شخص

نشاط: خوشی

ھوای وصل: ملاپ کی خواہش

درس هیجدهم:

اقبال اور وحشی

شمس الدین محمد وحشی بافقی دسویں صدی ھجری کے عظیم شاعر ہیں۔ انہوں نے ترجیع بند، ترکیب بند اور قصیدہ گوئی میں کمال پایا۔ نظامی گنجوی کے ''خمسہ'' کی تقلید میں مثنویاں بھی لکھیں جبکہ غزل گوئی میں بھی ان کا مقام و مرتبہ بہت بلند ہے۔ ان کی غزلیات میں طرز فغانی اور سبک ہندی کے گہرے اثرات محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

اقبال نے وحشی کی پیروی میں بھی چند غزلیں کہی ہیں جو فکری و فنی ھر دو اعتبار سے بے حد اھم ہیں۔

غزل وحشی

خیز و بناز جلوه ده قامت دلنواز را
چون قد خود بلند کن پایهٔ قدر ناز را
عشوه پرست من بیا، می زده مست و کف زنان
حسنِ تو پرده گو بدر پرد گیان راز را
عرض فروغ چون دهد مشعلهٔ جمال تو
قصه به کوتهی کشد شمع زبان دراز را
نیمکش تغافلم کارِ تمام ناشده
نیم نظر اجازه ده نرگسِ نیم باز را
وحشیم و حریده رو کعبهٔ عشق مقصدم
بدرقه اشك و آهِ من قافلهٔ نیاز را

غزل اقبال

خیـــزو نـــقـــاب بـــرگشـــا پـــردگیـــان ســـاز را
نـــغـــمـــۂ تـــازه یـــاد ده مـــرغِ نـــواطـــراز را
دیـــدۂ خـــوابـــنـــاك او گـــر بـــه چـــمـــن گشـــوده ای
رخـــصـــتِ یك نـــظـــر بـــده ، نـــرگـــسِ نیـــم بـــاز را
ســـجـــدۂ تـــو بـــر آورد از دلِ کـــافـــران خـــروش
ای کـــه دراز تـــر کـــنـــی پیـــش کســـان نـــمـــاز را
گـــرچـــه متـــاع عشـــق را عـــقـــل بهـــای کـــم نهـــد
مـــن نـــدهـــم بـــه تـــخـــت جـــم آه جـــگـــر گـــداز را
بـــرهـــمـــن بـــه غـــزنـــوی گـــفـــت کـــرامتـــم نـــگـــر
تـــو کـــه صـــنـــم شـــکستـــه ای بـــنـــده شـــدی ایـــاز را

مشق:

مذکورہ غزلیات میں ادبی اصطلاحات اور مشترکات کی الگ الگ نشاندہی کریں۔

فرھنگ:

دلنواز: دل کو بھانے والا

عشوہ: ناز وادا

کف زدن: تالی بجانا

پردگیان: فرشتے

مژہ: پلکیں

صومعہ: بتکدہ

دیدۂ خوابناک: خواب آلود آنکھیں

بہا: قیمت

درس نوزدھم:

اقبال اور بیدل

میرزا عبدالقادر بیدل، گیارھویں صدی ھجری کے عظیم ترین فارسی شاعر ہیں۔ سبھی تذکرہ نگاروں اور نقادانِ سخن نے انہیں متفقہ طور پر فارسی شاعری کی ھزار سالہ تاریخ کے اہم ترین شعرا میں شمار کیا ہے۔ مرزا غالب نے انہیں ''بحر بے کراں'' اور ''محیط بے ساحل'' کے القاب سے یاد کیا اور اپنا معنوی استاد قرار دیا ہے۔ غالب نے ریختہ یعنی اردو شعر گوئی میں طرز بیدل کی پیروی بھی کی ہے۔

بیدل کا اصل نام عبدالقادر اور کنیت ابوالمعانی تھی۔ دیباچہ گلستان میں درج یہ مُصرَّع نظر سے گذرا: ''بیدل از بی نشان چہ گوید باز'' تو اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنا تخلُّص بیدل رکھ لیا۔ بیدل کے معنی عاشق کے بھی ہیں اور تصوف کے حوالے سے اس کا مفہوم یوں بھی ہے کہ قلب سالک دنیاوی خواھشات سے پاک ہو۔

فکری اور فنی ھر دو اعتبار سے فارسی شاعری میں بیدل منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔ ان کے ہاں زندگی کے حقائق اور سماجی مسائل کا گہرا شعور ملتا ہے۔ ان کا کلام عظمت انسانی اور خودشناسی کے مضامین سے پُر ہے۔ علامہ اقبال، بیدل کی عظمت فکر وفن کے معترف تھے اور ان کی شاعری میں بیدل کے اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

غزل بیدل

چو محوِ عشق شدی رھنما چہ می جویی
بہ بحر غوطہ زدی ناخدا چہ می جویی
عصا ز دست تو انگشت رھنما دارد
تو گر نہ کور دلی از عصا چہ می جویی
جز این کہ خورد کند حرص استخوان تو را
دگر ز سایۂ بال ھما چہ می جویی

صفای دل نپسندد غبار آرایش
به دست آینه رنگ حنا چه می جویی
بجز ندارد تپیدن نفست
ز تار سوخته بیدل وفا چه می جویی

غزل اقبال

به آدمی نرسیدی خدا چه می جویی
ز خود گریختہ ای آشنا چه می جویی
دگر بہ شاخِ گل آویز و آب و تم در کش
پریدہ رنگ ز بادِ صبا چه می جویی
عیار فقر ز سلطانی و جہانگیری است
سریرِ جم بطلب بوریا چه می جویی
سراغِ او ز خیابان لالہ می گیرند
نوای خون شدۂ ما ز ما چه می جویی
قلندریم و کراماتِ ما جہانبینی است
ز ما نگاہ طلب کیمیا چه می جویی

مشق:

مندرجہ بالا غزلیات میں ادبی اصطلاحات کا جائزہ لیں، نیز دونوں کی غزلیات کی مشترکہ خوبیوں کا بھی ذکر کریں:

فرہنگ:

استخوان: ھڈی

انگشت: انگلی

بال: پر

بحر: سمندر

حنا: مہندی

سریر: تخت

عصا: چھڑی

غبار: دھول

غوطہ زدن: غوطہ لگانا

کور: نابینا

گریختن: فرار ہونا/گریزاں ہونا

محوشدن: نابود ہو جانا

نگاہ: نظر

نوا: آواز

درس بیستم:

اقبال و غالب

اسداللہ خان غالب (۱۲۱۲ھ۔۱۲۸۵ھ) فارسی غزل گوئی کی قدیم روایت کے آخری عظیم شاعر ہیں۔ نظیری نیشاپوری، عرفی شیرازی، ظہوری ترشیزی، حزین لاہیجی اور بیدل کے شعری اسالیب کی جھلک غالب کی غزل گوئی میں نمایاں ہے، لیکن ان عظیم شعرا کے گہرے اثرات کے باوجود غالب کو صاحبِ اسلوب شاعر کہا جاسکتا ہے۔

ان کے ہاں نظیری کی نزاکت، عرفی کی خودی اور انا، ظہوری کی پختگی اور بیدل کی سلاست و جزالت یکجا دکھائی دیتی ہے۔ جبکہ مطالب و مضامین کے اعتبار سے غالب کے ہاں ابتکار اور جدّت دکھائی دیتی ہے۔ اقبال نے کلاسیکی فارسی شاعری کے روایت کے اس عظیم شاعر سے گہرے اثرات قبول کیے ہیں۔

غزل غالب

اختری خوشتر ازنیم به جهان می بایست
خرد پیر مرا بخت جوان می بایست

به زمینی که به آهنگ غزل بنشینم
خاک گلبوی و هوا مشک فشان می بایست

بر نتابم به سبو باده ز دور آوردن
خانهٔ من به سرِ کویِ مغان می بایست

تا تنک مایه به دریوزه خود آرا نشود
نرخ پیرایهٔ گفتار گران می بایست

قدر انفاس گرم در نظر ستی غالب
در غم دهر دریغم به فغان می بایست

غزل اقبال

بازاین عالم دیرینه جوان می بایست
برگِ کاهش صفتِ کوه گران می بایست
کف خاکی که نگاه همه بین پیدا کرد
در ضمیرش جگر آلوده فغان می بایست
این مه و مهر کهن راه به جایی نبرند
انجم تازه به تعمیر جهان می بایست
هرنگاری که مرا پیش نظر می آید
خوش نگاری است ولی خوشتر از آن می بایست
گفت یزدان که چنین است و دگر هیچ مگو
گفت آدم که چنین است و چنان می بایست

مشق:

مندرجہ بالا غزلیات کا بغور مطالعہ کریں اور ادبی اصطلاحات و مشترکات کا جائزہ لیں۔

فرھنگ:

اختر: ستارہ

انجم: ستارہ

آھنگ: ارادہ

برگ: پتّا

پیر: بوڑھا/بڑھیا

چنان: ویسا

چنین: ایسا

خرد: عقل

خلد برین: جنت اعلیٰ

درخور بودن: شایان شان ہونا

دریوزہ کردن: بھیک مانگنا

سبو: مٹکا/صراحی

عالم: دنیا

غمِ دھر: دنیا کا غم

فغان: نالہ وفریاد

کاہ: تنکا

کف: ہتھیلی

کوہ گران: بھاری پہاڑ

گران: مہنگا

مہ ومہر: چاند اور سورج

نرخ: قیمت

نگار: محبوب

یزدان: خدا

درس بیست و یکم:

اقبال کی مثنوی سرائی

شاعری زین مثنوی مقصود نیست
بت پرستی بت گری مقصود نیست
هندی ام از پارسی بیگانه ام
ماه نو باشم تهی پیمانه ام
حسن انداز بیان از من مجو
خوانسار و اصفهان ازمن مجو
گرچه هندی در عذوبت شکر است
طرز گفتار دری شیرین تر است
پارسی از رفعتِ اندیشه ام
درخورد با فطرتِ اندیشه ام

مندرجہ بالا اشعار اقبال کی مشہور شعری تصنیف ''اسرار خودی'' سے لیے گئے ہیں۔ ان اشعار کو غور سے دیکھیے۔

کیا یہ ہم قافیہ ہیں؟

دراصل ہر شعر کا قافیہ الگ ہے۔ ہر شعر مُصرَّع ہے یعنی دونوں مُصرَّعے ہم قافیہ ہیں۔ ایسے اشعار کو ''مثنوی'' کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ قالب طویل داستان یا مفاہیم و مطالب کے بیان کے لیے بے حد مناسب ہے۔ چونکہ شاعر نہ صرف ہر شعر میں قافیہ تبدیل بلکہ بوقت ضرورت دھرایا بھی جا سکتا ہے۔ ''مثنوی'' فارسی شاعری کی قدیمترین اور رائج ترین اصناف سخن میں سے ایک ہے۔ یہ شعری قالب فارسی شعرا کی ایجاد ہے۔ رودکی سمرقندی کی ''کلیلہ و دمنہ'' اور ابوشکور بلخی کی ''آفرین نامہ'' فارسی کی ابتدائی مثنویاں ہیں۔

مثنوی کے موضوعات:

موضوع ومطالب کے اعتبار سے فارسی مثنویوں کو درج ذیل چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

۱۔حماسی وتاریخی:

شاہنامۂ فردوسی ، اسکندر نامۂ نظامی

۲۔اخلاقی وتعلیمی:

بوستانِ سعدی

۳۔عاشقانہ:

خسرووشیرین نظامی، ویس ورامینِ فخرالدین اسعد گرگانی

۴۔عارفانہ:

حدیقۃ الحقیقۂ سنائی، منطق الطیر عطاراور مثنوی معنوی مولانا روم

فردوسی طوسی ، اسدی طوسی ، نظامی گنجوی ، سنائی غزنوی ، سعدی شیرازی ، مولانا روم ، امیر خسرواور جامی نامور ترین مثنوی گوشاعر ہیں۔

مثنوی معنوی مولوی

بشنو ازنی چون حکایت می کند
از جدائیها شکایت می کند
کز نیستان تا مرا ببریده اند
از نفیرم مرد و زن نالیده اند
سینه خواهم شرحه شرحه از فراق
تا بگویم شرحِ دردِ اشتیاق

هر کسی کو دور ماند از اصل خویش
بازجوید روزگار وصل خویش
من به هر جمعیتی نالان شدم
جفت بد حالان و خوشحالان شدم
هر کس از ظن خود شد یار من
از درونِ من نجست اسرار من
سرّ من از نالهٔ من دور نیست
لیك چشم و گوش را آن نور نیست
تن ز جان ، جان ز تن مستور نیست
لیك کس را دید جان دستور نیست
آتش است این بانگِ نای و نیست باد
هر که این آتاش ندارد نیست باد
آتش عشق است کاندر نی فتاد
جوشش عشق است کاندر می فتاد

مثنوی اقبال ''اسرار و رموز''

نقطهٔ نوری که نام او خودی است
زیرِ خاك ما شرار زندگی است
از محبت می شود پاینده تر
زنده تر سوزنده تر تابنده تر

فطرت او آتش اندوزد ز عشق
عالم افروزی بیاموزد ز عشق
عشق را از تیغ و خنجر باک نیست
اصل عشق از آب و باد و خاک نیست
در جهان هم صلح و هم پیکار عشق
آب حیوان تیغ جوهردار عشق
عاشقی آموزو محبوبی طلب
چشم نوحی، قلب ایوبی طلب
کیمیا پیدا کن از مشتِ گلی
بوسه زن بر آستانِ کاملی
شمع خود را همچو رومی برفروز
روم را در آتش تبریز سوز
هست معشوقی نهان اندر دلت
چشم اگر داری، بیا، بنمایمت
دل ز عشق او توانا می شود
خاک همدوش ثریّا می شود

مثنوی اقبال ''جاویدنامه''

صد کتاب آموزی از اهل هنر
خوشتر آن درسی که گیری از نظر

کم خور و کم خواب و کم گفتار باش
گِردِ خود گردنده چون پرکار باش
منکر حق نزد مُلّا کافر است
منکر خود نزدِ من کافرتر است
عدل در قهر و رضا از کف مده
قصد در فقر و غنا از کف مده
حفظ جانها ذکر و فکر بی حساب
حفظ تنها ضبط نفس اندر شباب
حاکمی در عالم بالا و پست
جز به حفظ جان و تن ناید به دست

پیر رومی را رفیق راه ساز
تا خدا بخشد تو را سوز و گداز
شرح او کردند و او را کس ندید
معنی او چون غزال از ما رمید
رقص تن از حرف او آموختند
چشم را از رقص جان بر دوختند
رقص جان آموختن کاری بود
غیر حق را سوختن کاری بود

فرھنگ:

اسرار: سِرّ کی جمع، راز

اندیشہ: سوچ

آموختن: سیکھنا

بت پرستی: بتوں کی پوجا

بت گری: بت بنانا

پیکار: جنگ

ثریّا: کہکشاں

جان: روح

جُستن: ڈھونڈنا

درس: سبق

دستور: طریقہ/روش

رقصِ تن: بدن کا رقص

رقصِ جان: روح کا رقص

روزگار: زمانہ

سوختن: جلانا

شباب: جوانی

شرار: چنگاری

ظن: گمان

عذوبت: مٹھاس

غزال: ہرن

کم خواب: کم سونے والا

کم خور: کم کھانے والا

کم گفتار: کم بولنے والا

گردندہ: گھومنے والا

ماہ نو: نیا چاند

مستور: چھپا ہوا

مقصود: ھدف

نای: بانسری

نفیر: آواز (بانسری کی دردناک آواز)

نی: بانسری ر بانس

نیستان: بانسوں کا جھنڈ

وصل: ملاپ

ھمدوش: ھم پلہ

درس بیست و دوم:

اقبال کی قطعہ نگاری

الملک للہ

طارق چو بر کنار اندلس سفنیہ سوخت
گفتند کار تو بہ نگاہِ خرد خطاست
دوریم از سواد وطن باز چون رسیم
ترک سبب ز روی شریعت کجا رواست
خندید و دست بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدای ماست

مندرجہ بالا اشعار میں قافیہ پر توجہ دیجیے، یہ اشعار قالب کے اعتبار سے غزل سے کس طرح مختلف ہیں؟

پہلا شعر جسے مطلع کہتے ہیں، غزل کی طرح مصرّع نہیں ہے، جبکہ ہر دوسرے مُصرَّع میں قافیہ اپنی جگہ پر موجود ہے۔ ایسی صنف سخن ''قطعہ'' کہلاتی ہے۔ قطعہ میں اشعار کی کم از کم تعداد دو ہے۔ قطعات میں بالعموم اخلاقی، معاشرتی، سماجی اور پند و نصائح کے موضوعات بیان ہوتے ہیں۔ ''قطعہ'' تقریباً ہر دور میں رائج صنف سخن رہا ہے۔ انوری، سعدی، ابن یمین اور پروین اعتصامی قطعہ نگاری میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اقبال کے قطعات موضوع کی انفرادیت اور فنی مہارت کے سبب اہمیت کے حامل ہیں۔

اقبال کے چند مشہور قطعات ملاحظہ کیجیے۔

حیات جاوید

گمن مبر کہ بہ پایان رسید کار مغان

هزار بادهٔ ناخورده در رگ تاك است
چمن خوشست و لیکن چوغنچه نتوان زیست
قبایِ زندگیش از دمِ صبا چاك است
اگر ز رمزِ حیات آگهی، مجوی و مگیر
دلی که از خلشِ آرزو پاك است
بخود خزیده و محکم چو کوهساران زی
چو خس مزی که هوا تیز و شعله بیباك است

کرم کتابی

شنیدم شبی در کتب خانهٔ من
به پروانه می گفت کرمِ کتابی
به اوراق سینا نشیمن گرفتم
بسی دیدم از نسخهٔ فاریابی
نفهمیده ام حکمتِ زندگی را
همان تیره روزم ز بی آفتابی
نکو گفت پروانهٔ نیم سوزی
که این نکته را در کتابی نیابی
تپش می کند زنده تر زندگی را
تپش می دهد بال و پر زندگی را

حقیقت

عقاب دوربین جویینده را گفت
نگاهم آنچه می بیند سراب است
جوابش داد آن مرغِ حق اندیش
تو می بینی و من دانم که آب است
صدای ماهی آمد از ته بحر
که چیزی هست و هم در پیچ وتاب است

کرمک شب تاب

شنیدم کرمك شب تاب می گفت
نه آن مورم که کس نالد ز نیشم
توان بی منت بیگانگان سوخت
نپندای که من پروانه کیشم
اگر شب تیره تر از چشم آهوست
خود افروزم چراغِ راه خویشم

مشق:

اس سبق میں درج قطعات میں سے ادبی اصطلاحات کی نشاندہی کریں۔

فرھنگ:

ایاغ: پیالہ
آھو: ھرن
پنداشتن: گمان کرنا

پولاد: فولاد

تاک: انگور کی بیل

تبر: کلہاڑی

تپش: تڑپ

تفنگ: بندوق

تیرہ: تاریک

جویبنہ: ندی

خرد: عقل

خزیدن: رینگنا

خس: گھاس کے تنکے

خطا: غلطی

خیابان: سڑک

راغ: صحرا

روا: جائز

زیستن: جینا/زندگی بسر کرنا

سفال: مٹی

سفینہ: کشتی

سواد: سرزمین

شب تاب: جگنو

شمشیر: تلوار

طایر: پرندہ

قبا: لباس/لبادہ

قفس: پنجرہ

کرم: کیڑا

کرمک: کیڑا

کنار: ساحل

گلزار: باغ

گِل: مٹی

ماھی: مچھلی

محکم: مستحکم/استوار

منت: احسان

مور: چیونٹی

نشیمن گرفتن: ٹھکانا بنانا

نوشینہ: مشروب

نہال: پودا

نیش: ڈنک

درس بیست وسوم:

اقبال اور باباطاہر

باباطاہر ھمدانی پانچویں صدی ھجری کے عظیم عرفاوشعرامیں شمار ہوتے ہیں۔وہ سلجوق حکمران طغرل کے ہم عصر تھے۔چوتھی صدی ھجری کے اواخر میں ھمدان میں پیدا ہوئے اور پانچویں صدی ھجری کے وسط میں اسی شہر میں وفات پائی جہاں ان کی آخری آرامگاہ آج بھی مرجع خلائق ہے۔باباطاہر نے فارسی کے ایک مقامی لہجے ''لری'' میں دوبیتیاں کہی ہیں۔جو عروض اوزان کے اعتبار سے رباعی سے مختلف صنفِ سخن ہے۔جذبات واحساسات کا برملا اور بے ساختہ اظہار باباطاہر کی خاص خوبی ہے۔عشق حقیقی کے لافانی جذبے سے سرشار ان کی دوبیتیاں فارسی شاعری کا لازوال حسن ہیں۔اقبال کی آخری شعری تصنیف ارمغان حجاز میں درج دوبیتیاں باباطاہر کے زیراثر دکھائی دیتی ہیں۔

باباطاہر کی دوبیتیاں

ته دوری از برم دل در برم نیست
هوای دیگری اندر سرم نیست
به جان دلبرم کز هر دو عالم
تمنای دگر جز دلبرم نیست

☆

خداوندا مو بیزارم ازین دل
شو و روزان در آزارم ازین دل
ز بس نالیدم از نالیدنم تنگ
ز موبستان که بیزارم ازین دل

☆

چرا آزرده حالی ای دل ای دل
مدام اندر خیالی ای دل ای دل
برو کنجی نشین شکر خدا کن
که شاید کام یابی ای دل ای دل

☆

مگر شیر و پلنگی ای دل ای دل
به و دایم به جنگی ای دل ای دل
اگر دستم رسد خونت بریجم
بو نیم تا چه رنگی ای دل ای دل

☆

به روی دلبری گر مایلستم
مکُن منعم گرفتار دلستم
خدا را ساربان آهسته می ران
که مو واماندهٔ این قافلستم

اقبال کی دوبیتیاں

به کویش ره سپاری ای دل ای دل

مرا تنها گزاری ای دل ای دل
دمادم آرزوها آفرینی
مگر کاری نداری ای دل ای دل

☆

چه پرسی از مقام نوایم
ندیمان عجم شناسند از کجایم
گشادم رختِ خود را اندرین دشت
که اندر خلوتش تنها سرایم

☆

گهی شعر عراقی را بخوانم
گهی جامی زند آتش به جانم
ندانم گرچه آهنگِ عرب را
شریک نغمه هایِ ساربانم

☆

چو رومی در حرم دادم اذان من
ازو آموختم اسرارِ جان من
به دور فتنهٔ عصرِ کهن او
به دور فتنهٔ عصرِ روان من

☆

سرود رفته باز آید که ناید
نسیمی از حجاز آید که ناید
سر آمد روزگارِ این فقیری
دگر دانای راز آید که ناید

☆

مشق:

اس سبق میں درج دوبیتیوں کا بغور مطالعہ کیجیے اور فنی خصائص کی نشاندہی کیجیے۔

فرہنگ:

تہ/تو: تم

بر: پہلو/آغوش

ھوا: ھوس/خواہش

مو/من: میں

شو/شب: رات

مدام: ہمیشہ

کنج: گوشہ

پلنگ: چیتا

برتجم/بریزم: میں بہادوں

بونیم/ببنیم: میں دیکھوں

ندیم: دوست/ساتھی

رخت: ساز وسامان

دشت: صحرا/جنگل

آھنگ: نغمہ/ساز

سرآمدن: مکمل ہو جانا

روزگار: زمانہ

دانایِ راز: بھید جاننے والا